مَرْيَم

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ

نام

اس سورۃ کا نام آیت واذکر فی الکتب مریم سے ماخوذ ہے ۔ مراد یہ ہے کہ وہ سورۃ جس میں حضرت مریم کا ذکر آیا ہے۔

زمانہ نزول

اس کا زمانہ نزول ہجرت حبشہ سے پہلے کا ہے ۔ معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین اسلام جب نجاشی کے دربار میں بلائے گئے تھے اس وقت حضرت جعفر نے یہی سورۃ بھرے دربار میں تلاوت کی تھی۔

تاریخی پس منظر

جس دور میں یہ سورۃ نازل ہوئی اس کے حالات کی طرف ہم کسی حد تک سورہ کہف کے دیباچے میں اشارہ کر چکے ہیں لیکن وہ مختصر اشارہ اس سورۃ کو اور دور کی دوسری سورتوں کو سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہے ۔ اس لئے

ہم اس وقت کے حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں ۔

قریش کے سردار جب تضحیک ، استہزاء اطماع تخویف اور جھوٹے الزامات کی تشہیر سے تحریک اسلامی کو دبانے میں ناکام ہوگئے تو انہوں نے ظلم و ستم ، مارپیٹ اور معاشی دباؤ کے ہتھیار استعمال کرنے شروع کی ے ۔ ہر قبیلے کے لوگوں نے اپنے اپنے قبیلے کے نو مسلموں کو تنگی میں پکڑا اور طرح طرح سے ستا کر ، قید کر کے بھوک پیاس کی تکلیفیں دے کر ، حتیٰ کہ سخت جسمانی اذیتیں دے کر انہیں اسلام چھوڑنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی ۔ اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ غریب لوگ اور وہ غلام اور سوالی جو قریش والوں کے تحت زیر دست کی حیثیت سے رہتے تھے ، بری طرح پیسے گئے ۔ مثلاً بلال ، عامر بن مہر ، ام عبیس ، زبیرہ ، عمار بن یاسر اور ان کے والدین وغیرہ ، ان لوگوں کو مار مار کر ادھ موا کر دیا جاتا ، بھوکا پیاسا بند رکھا جاتا ، مکے کی تپتی ہوئی ریت چلچلاتی دھوپ میں لٹا دیا جاتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھ کر گھنٹوں تڑپایا جاتا ۔ جو لوگ پیشہ ور تھے ان سے کام لیا جاتا اور اجرت ادا کرنے میں پریشان کیا جاتا ۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت خباب بن ارت کی یہ روایت موجود ہے کہ :

'' میں مکے میں لوہار کا کام کرتا تھا ، مجھ سے عاص بن وائل نے کام لیا ، پھر جب میں اس سے اجرت لینے گیا تو اس نے کہا کہ تیری اجرت نہ دونگا جب تک تو محمد کا انکار نہ کرے "

اسی طرح جو لوگ تجارت کرتے تھے ان کے کاروبار کر برباد کرنے کی کوششیں کی جاتیں اور جو معاشرے میں کچھ عزت کا مقام رکھتے ان کو ہر طریقے سے ذلیل و رسوا کیا جاتا ۔ اسی زمانے کا حال بیان کرتے ہوئے حضرت خباب کہتے ہیں کہ ایک روز نبی ﷺ کعبے کے سائے میں تشریف فرما تھے ۔ میں نے آپ کی خدمت حاضر ہو کر عرض کیا " یا رسول اللہ ﷺ ۔ اب تو ظلم کی حد ہوگئی ہے ۔ آپ ﷺ خدا سے دعا فرمایئے ؟ " یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک تمتما اٹھا اور آپ ﷺ نے فرمایا " تم سے پہلے جو اہل ایمان تھے ان پر اس سے زیادہ مظالم ہو چکے ہیں ۔ ان کی ہڈیوں پر لوہے کی کنگھیاں گھسی جاتی تھیں ، ان کے سروں پر رکھ کر آرے چلائے جاتے پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے تھے ۔ یقین جانو کہ اللہ اس کام کو پورا کر کے رہے گا یہاں تک کہ ایک وقت وہ آئے گا کہ ایک آدمی صنعاء سے حضر موت تک بے کھٹکے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا ، مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو " (بخاری) ۔

یہ حالات جب نا قابل برداشت حد تک پہنچ گئے تو رجب 45 ہجری عام الفیل (سن نبوی ﷺ) میں حضور ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ لوخرجتم الی ارض الحبشتہ فان بھا ملکالایطیلم عندہ احد وھی ارض صدق حتی یجعل اللہ لکم فرجام ما انتم فیہ۔

اچھا ہو کہ تم لوگ نکل کر حبش چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے۔ جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کرے، تم لوگ وہاں ٹھیرے رہو۔

اس ارشاد کی بنا پر پہلے گیارہ مردوں اور چار خواتین نے حبش کی راہ لی۔ قریش کے لوگوں نے ساحل تک ان کا پیچھا کیا، مگر خوش قسمتی سے شعیبہ کے بندر گاہ پر ان کو بر وقت حبش کے لئے کشتی مل گئی اور وہ گرفتار ہونے سے بچ گئے۔ پھر چند مہینوں کے اندر مزید لوگوں نے ہجرت کی یہاں تک کہ 83 مرد گیارہ عورتیں اور 7 غیر قریشی مسلمان حبش میں جمع ہو گئے اور مکے میں نبی ﷺ کے ساتھ صرف 40 آدمی رہ گئے۔

اس ہجرت سے مکے کے گھر گھر میں کہرام مچ گیا، کیونکہ قریش کے بڑے اور چھوٹے خاندانوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کے چشم وچراغ ان مہاجرین میں شامل نہ ہوں۔ کسی کا بیٹا گیا تو کسی کا داماد، کسی کی بیٹی گئی تو کسی کا بھائی اور کسی کی بہن۔ ابو جہل کے بھائی سلمہ بن ہشام، اس کے چچا زاد بھائی ہشام بن ابی حذیفہ اور عیاش بن ابی ربیعہ اور اس کی چچا زاد بہن حضرت ام سلمہ، ابو سفیان کی بیٹی ام حبیبہ۔ عتبہ کے بیٹے اور ہند جگر خوار کے سگے بھائی ابو حذیفہ۔ سہل بن عمرو کی بیٹی سہلہ۔ اور اسی طرح دوسرے سردار قریش اور مشہور دشمنان اسلام کے اپنے جگر گوشے دین کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اسی لئے کوئی گھر نہ تھا جو اس واقعہ سے متاثر نہ ہوا ہو۔ بعض لوگ اس کی وجہ سے اسلام دشمنی میں پہلے سے زیادہ سخت ہو گئے۔ اور بعض کے دلوں پر اس کا اثر ایسا ہوا کہ آخر کار وہ مسلمان ہو کر رہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی اسلام دشمنی پر پہلی چوٹ اسی واقعہ سے لگی۔ ان کی ایک قریبی رشتہ دار لیلی بنت حشمہ بیان کرتی ہیں کہ میں ہجرت کے لئے اپنا سامان باندھ رہی تھی، اور میرے شوہر عامر بن ربیعہ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اتنے میں عمرؓ آئے اور کھڑے ہو کر میری مشغولیت کو دیکھتے رہے کچھ دیر کے بعد کہنے لگے "عبداللہ کی ماں، جا رہی ہو"؟ میں نے کہا"

ہاں خدا کی قسم تم لوگوں نے ہمیں ستایا۔ خدا کی زمین کھلی پڑی ہے، اب ہم کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں خدا ہمیں چین دے" یہ سن کر عمر کے چہرے پر رقت کے ایسے آثار طاری ہوئے جو میں نے کبھی ان پر نہ دیکھے تھے اور وہ بس یہ کہ کر نکل گئے کہ " خدا تمہارے ساتھ ہو"۔

ہجرت کے بعد قریش کے سردار سر جوڑ کر بیٹھے اور انہوں نے طے کیا کہ عبداللہ بن ابی ربیعہ (ابو جہل کے ماں جائے بھائی) اور عمرو بن عاص کو بہت سے قیمتی تحائف کے ساتھ حبش بھیجا جائے اور یہ لوگ کسی نہ کسی طرح نجاشی کو اس بات پر راضی کریں کہ وہ ان مہاجرین کو یکہ واپس بھیج دے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ نے (جو خود مہاجرین حبشہ میں شامل تھیں) یہ واقعہ بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ قریش کے یہ دونوں ماہر سیاست سفیر ہمارے تعاقب میں حبش پہنچے۔ پہلے انہوں نے نجاشی کے اعیان سلطنت میں خوب ہدیہ تقسیم کر کے سب کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ مہاجرین کو واپس کرنے کے لئے نجاشی پر بالاتفاق زور دیں گے۔ پھر نجاشی سے ملے اور اس کو بیش قیمت نذرانہ دینے کے بعد کہا" ہمارے شہر کے چند نادان لوگ بھاگ کر آپ کے ہاں آ گئے ہیں قوم کے اشراف نے ہمیں آپ کے پاس ان کی واپسی کو درخواست کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ یہ لوگ ہمارے دین سے نکل گئے ہیں اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں بلکہ انہوں نے ایک نرالا دین نکال لیا ہے" ان کا کلام ختم ہوتے ہی اہل دربار ہر طرف سے بولنے لگے کہ " ایسے لوگوں کو ضرور واپس کر دینا چاہیے، ان کی قوم کے لوگ زیادہ جانتے ہیں کہ ان میں کیا عیب ہے۔ انہیں رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔ مگر نجاشی نے بگڑ کر کہا کہ " اس طرح تو میں انہیں حوالے نہیں کروں گا۔ جن لوگوں نے دوسرے ملک کو چھوڑ کر میرے ملک پر اعتماد کیا اور یہاں پناہ لینے کے لئے آئے ان سے میں بے وفائی نہیں کر سکتا پہلے میں انہیں بلا کر تحقیق کروں گا کہ یہ لوگ ان کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے " چنانچہ نجاشی نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دربار میں بلا بھیجا۔

نجاشی کا پیغام پا کر سب مہاجرین جمع ہوئے اور انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ بادشاہ کے سامنے کیا کہنا ہے۔ آخر سب نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم ہمیں دی ہے ہم تو وہی بے کم و کاست

پیش کریں گے خواہ نجاشی ہمیں رکھے یا نکال دے۔ دربار میں پہنچے تو نجاشی نے سوال کیا کہ " یہ تم لوگوں نے کیا کیا کہ اپنی قوم کا دین بھی چھوڑا اور میرے دین داخل نہ ہوئے، نہ دنیا کے دوسرے ادیان ہی میں سے کسی کو اختیار کیا؟ آخر یہ تمہارا نیا دین ہے کیا"؟ اس پر مہاجرین کی طرف سے جعفر بن ابی طالب نے ایک بر جستہ تقریر کی جس میں پہلے عرب جاہلیت کی دینی، اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کی بیان کیا، پھر نبی ﷺ کی بعثت کا ذکر کر کے بتایا کہ آپ کیا تعلیمات پیش فرماتے ہیں، پھر ان مظالم کا ذکر کیا جو آنحضور کی پیروی اختیار کرنے والوں پر قریش کے لوگ ڈھا رہے تھے، اور کلام اس بات پر ختم کیا دوسرے ملکوں کے بجائے ہم نے آپ کے ملک کا رخ اس امید پر کیا ہے کہ یہاں ہم پر ظلم نہ ہو گا۔ نجاشی نے یہ تقریر سن کر کہا کہ ذرا مجھے وہ کلام تو سناؤ جو تم کہتے وہ کہ خدا کی طرف سے تمہارے نبی پر اترا ہے۔ حضرت جعفر نے جواب میں سورہ مریم کا وہ ابتدائی حصہ سنایا جو حضرت یحیی اور حضرت عیسی علیہما اسلام سے متعلق ہے۔ نجاشی اس کو سنتا رہا اور روتا رہا یہاں تک کہ اس کی ڈاڑھی تر ہو گئی جب حضرت جعفر نے تلاوت ختم کی تو اس نے کہا کہ " یقیناً یہ کلام اور جو کچھ عیسی لائے تھے دونوں ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہیں خدا کی قسم میں تمھیں انلوگوں کے حوالے نہ کروں گا۔

دوسرے روز عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ " ذرا ان لوگوں سے بلا کر یہ تو پوچھیے کہ عیسی ابن مریم کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے۔ یہ لوگ ان کے متعلق ایک بڑی بات کہتے ہیں" نجاشی نے پھر مہاجرین کو بلا بھیجا۔ مہاجرین کو پہلے سے عمرو بن عاص کی چال کا علم ہو چکا تھا۔ انہوں نے جمع ہو کر پھر مشورہ کیا کہ اگر نجاشی نے عیسیٰ کے بارے میں سوال کیا تو جواب دو گے؟ موقع بڑا نازک تھا اور سب اس سے پریشان تھے۔ مگر پھر بھی اصحاب رسول اللہ نے یہی فیصلہ کیا کہ جو کچھ ہوتا ہے ہو جائے ہم تو وہی بات کہیں گے جو اللہ نے فرمائی اور اللہ کے رسول ﷺ نے سکھائی۔ چنانچہ جب یہ لوگ دربار میں گئے اور نجاشی نے عمرو بن عاص کا پیش کردہ سوال ان کے سامنے دہرایا تو جعفر بن ابی طالب نے اٹھ کر بلا تامل کہا کہ " ھو عبد اللہ و رسولہ و روحہ کلمتہ القاھا الی مریم لاعزاء البتول۔ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی طرف سے ایک روح اور ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری مریم پر القا کیا" نجاشی نے سن کر ایک تنکا زمین سے اٹھایا اور کہا " خدا کی قسم جو کچھ تم نے کہا ہے عیسی اس سے تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے۔" اس کے بعد

نجاشی نے قریش کے بھیجے ہوئے تمام ہدیے یہ کہ کر واپس کر دے کہ میں رشوت نہیں لیتا اور مہاجرین سے کہا کہ تم بالکل اطمینان کے ساتھ رہو۔

موضوع اور مضمون

اس تاریخی پس منظر کو نگاہ میں رکھ کر جب ہم اس سورۃ کو دیکھتے ہیں تو اس میں اولیں بات نمایاں ہو کر ہمارے سامنے یہ آتی ہے کہ اگر چہ مسلمان ایک مظلوم پناہ گزیں گروہ کی حیثیت سے اپنا وطن چھوڑ کر دوسرے ملک میں جا رہے تھے، مگر اس حالت میں بھی اللہ تعالی نے ان کو دین کے معاملے میں ذرہ برابر مداہنت کرنے کی تعلیم نہ دی، بلکہ چلتے وقت زادراہ کے طور پر یہ سورۃ ان کے ساتھ کی تاکہ عیسائیوں کے ملک میں عیسیٰ کی بالکل صحیح حیثیت پیش کریں اور انکے ابن اللہ ہونے کا صاف صاف انکار کر دیں۔

پہلے دو رکوعوں میں یحییٰ اور عیسیٰ کا قصہ سنانے کے بعد پھر تیسرے رکوع میں حالات زمانہ کی مناسبت سے حضرت ابراہیم کا قصہ سنایا گیا ہے کیونکہ ایسے ہی حالات میں وہ بھی اپنے باپ اور خاندان اور اہل ملک کے ظلم سے تنگ آکر وطن سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اس سے ایک طرف کفار مکہ کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ آج ہجرت کرنے والے مسلمان ابراہیم علیہ السلام کی پوزیشن میں ہیں اور تم لوگ ان ظالموں کی پوزیشن میں ہو جنھوں نے تمہارے باپ اور پیشوا ابراہیم علیہ السلام کو گھر سے نکالا تھا۔ دوسری طرف مہاجرین کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام وطن سے نکل کر تباہ نہ ہوئے بلکہ اور زیادہ سربلند ہو گئے ایسا ہی انجام نیک تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

اس کے بعد چوتھے رکوع میں دوسرے انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ تمام انبیاء وہی دین لے کر آئے تھے جو محمد ﷺ لائے ہیں، مگر انبیاء کے گزر جانے کے بعد ان کی امتیں بگڑتی رہی ہیں اور آج مختلف امتوں میں جو گمراہیاں پائی جا رہی ہیں یہ اسی بگاڑ کا نتیجہ ہیں۔

آخری دو رکوعوں میں کفار مکہ کی گمراہیوں پر سخت تنقید کی گئی ہے اور کلام ختم کرتے ہوئے اہل ایمان کو مژدہ سنایا گیا ہے کہ دشمنان حق کی ساری کوششوں کے باوجود بالآخر تم محبوب خلائق ہو کر رہو گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

كٓهٰيٰعٓصٓ ۚ﴿۱﴾	کٓھٰیٰعٓصٓ
ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ﴿۲﴾	ذکر ہے [*1] رحمت کا تیرے رب کی اپنے بندے زکریا پر۔ [*2]

1* تقابل کے لئے سورہ آل عمران رکوع 4 پیش نظر رہے جس میں یہ قصہ دوسرے الفاظ میں بیان ہو چکا ہے۔ تفہیم القرآن ج 1۔ ص 246۔ 250)۔

2* یہ حضرت زکریا علیہ السلام جن کا ذکر یہاں ہو رہا ہے حضرت ہارون علیہ السلام کے خاندان سے تھے۔ ان کی پوزیشن ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ بنی اسرائیل کے نظام کہانت (Priesthood) کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے فلسطین پر قابض ہونے کے بعد بنی اسرائیل نے ملک کا انتظام اس طرح کیا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے 12 قبیلوں میں تو سارا ملک تقسیم کر دیا گیا، اور تیرھواں قبیلہ (یعنی لاوی بن یعقوب کا گھرانا) مذہبی خدمات کے لئے مخصوص رہا پھر بنی لاوی میں سے بھی اصل وہ خاندان جو، مقدس میں خداوند کے آگے بخور جلانے کی خدمت اور پاک ترین چیزوں کی تقدیس کا کام کرتا تھا، حضرت ہارون علیہ السلام کا خاندان تھا۔ باقی دوسرے بنی لاوی مقدس کے اندر نہیں جا سکتے تھے بلکہ خداوند کے گھر کی خدمت کے وقت صحنوں اور کوٹھڑیوں میں کام کرتے تھے، سبت کے دن اور عیدوں کے موقع پر سوختنی قربانیاں چڑھاتے تھے، اور مقدس کی نگرانی میں بنی ہارون کا ہاتھ بٹاتے تھے۔

بنی ہارون کے چوبیس خاندان تھے جو باری باری سے مقدس کی خدمت کے لئے حاضر ہوتے۔ انہی خاندانوں میں سے ایک ابیاہ کا خاندان تھا جس کے سردار حضرت زکریا علیہ السلام تھے۔ اپنے خاندان کی باری کے دنوں میں یہی مقدس میں جاتے اور بخور جلانے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو بائیبل کی کتاب تواریخ اول۔ باب 23 (24)۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾	جب پکارا اسنے اپنے رب کو دبی پکار سے۔
قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَ	کہا اس نے میرے رب یقیناً کمزور ہو گئی ہیں

اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّ لَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾

ہڈیاں میری اور بھڑک اٹھا ہے میرا سر بڑھاپے سے اور نہیں رہا میں تجھ سے دعا مانگ کر میرے رب نامراد۔

وَ اِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿٥﴾

اور یقیناً میں ڈرتا ہوں اپنے رشتے داروں سے اپنے بعد*3 اور میری بیوی ہے بانجھ تو عطا فرما مجھے اپنے پاس سے ایک وارث۔

*3 مطلب یہ کہ ابیاہ کے خاندان میں میرے بعد کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو دینی اور اخلاقی حیثیت سے اس منصب کا اہل ہو جسے میں سنبھالے ہوئے ہوں۔

يَّرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾

جو وارث ہو میرا اور میراث پائے اولاد یعقوب *4 سے۔ اور بنا اسے میرے رب پسندیدہ۔

*4 یعنی مجھے صرف اپنی ذات ہی کا وارث مطلوب نہیں ہے بلکہ خانوادۂ یعقوب کی بھلائیوں کا وارث مطلوب ہے۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿٧﴾

اے زکریا یقیناً ہم بشارت دیتے ہیں تجھ کو ایک لڑکے کی جس کا نام ہو گا یحییٰ۔ نہیں دیا ہم نے کسی کو پہلے یہ نام۔ *5

*5 لوقا کی انجیل میں الفاظ یہ ہیں: ”تیرے کنبے میں کسی کا یہ نام نہیں“ (۱:۶۱)۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ

کہا اسنے میرے رب کیونکر ہو گا میرا لڑکا۔ جبکہ ہے میری بیوی بانجھ اور میں پہنچ گیا ہوں

مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿٨﴾	بڑھاپے میں انتہا کو۔
قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴿٩﴾	کہا اسی طرح ہو گا۔ فرمایا ہے تیرے رب نے یہ ہے مجھے آسان اور یقیناً میں پیدا کر چکا ہوں تجھ کو اس سے پہلے اور نہ تھا تو کچھ چیز۔ *6

6* حضرت زکریا علیہ السلام کے اس سوال اور فرشتے کے جواب کو نگاہ میں رکھیے، کیونکہ آگے چل کر حضرت مریم علیہا السلام کے قصے میں پھر یہی مضمون آرہا ہے اور اس کا جو مفہوم یہاں ہے وہی وہاں بھی ہونا چاہیے ۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا کہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے، میرے ہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے ۔ فرشتے نے جواب دیا کہ "ایسا ہی ہوگا"، یعنی تیرے بڑھاپے اور تیری بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود تیرے ہاں لڑکا ہوگا ۔ اور پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا حوالہ دیا کہ جس خدا نے تجھے نیست سے ہست کیا اُس کی قدرت سے یہ بات بعید نہیں ہے کہ تجھ جیسے شیخ فانی سے ایک ایسی عورت کے ہاں اولاد پیدا کر دے جو عمر بھر بانجھ رہی ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾	کہا اس نے میرے رب مقرر فرما میرے لئے نشانی فرمایا تیرے لئے نشانی ہے کہ نہ بات کریگا تو لوگوں سے تین رات بغیر جسمانی خامی کے۔
فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ﴿١١﴾	پھر نکل کر آیا وہ اپنی قوم کے پاس حجرے سے *7 اور اشارے سے کہا ان سے کہ تسبیح کرتے رہو صبح اور شام۔ *8

7* محراب کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اوّل، آلِ عمران، حاشیہ ۳۶۔

8* اس واقعے کی جو تفصیلات لوقا کی انجیل میں بیان ہوئی ہیں انہیں ہم یہاں نقل کر دیتے ہیں تاکہ لوگوں

کے سامنے قرآن کی روایت کے ساتھ مسیحی روایت بھی رہے۔ درمیان میں قوسین کی عبارتیں ہماری اپنی ہیں:

”یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانے میں (ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، بنی اسرائیل، حاشیہ ۹) ابیاہ کے فریق سے زکریا نام کا ایک کاہن تھا اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی اور اس کا نام الیشبع (Elizabeth) تھا۔ اور وہ دونوں خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سب احکام و قوانین پر بے عیب چلنے والے تھے۔ اور ان کے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور وہ دونوں عمر رسیدہ تھے۔ جب وہ خدا کے حضور اپنے فریق کی باری پر کہانت کا کام انجام دیتا تھا تو ایسا ہوا کہ کہانت کے دستور کے موافق اس کے نام کا قرعہ نکلا کہ خداوند کے مقدس میں جا کر خوشبو جلائے۔ اور لوگوں کی ساری جماعت خوشبو جلاتے وقت باہر دعا کر رہی تھی کہ خداوند کا فرشتہ خوشبو کے مذبح کی داہنی طرف کھڑا ہوا اس کو دکھائی دیا۔ اور زکریا دیکھ کر گھبرایا اور اس پر دہشت چھا گئی۔ مگر فرشتے نے اس سے کہا اے زکریا! خوف نہ کر کیونکہ تیری دُعا سن لی گئی (حضرت زکریا کی دُعا کا ذکر بائیبل میں کہیں نہیں ہے) اور تیرے لیے تیری بیوی الیشبع کے بیٹا ہوگا۔ تو اُس کا نام یوحنا (یعنی یحییٰ) رکھنا اور تجھے خوشی و خرمی ہوگی اور بہت سے لوگ اس کی پیدائش کے سبب سے خوش ہوں گے کیونکہ وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا (سورۂ آلِ عمران میں اس کے لیے لفظ سیدًا استعمال ہوا ہے) اور ہرگز نہ مے اور نہ کوئی شراب پیے گا (تقیا) اور اپنی ماں کے بطن ہی سے روح القدس سے بھر جائے گا (وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا) اور بہت سے بنی اسرائیل کو خداوند کی طرف جو اُن کا خدا ہے پھیرے گا۔ اور وہ ایلیاہ (الیاس علیہ السلام) کی روح اور قوت میں اس کے آگے آگے چلے گا کہ والدوں کے دل اولاد کی طرف اور نافرمانوں کو راستبازوں کی دانائی پر چلنے کی طرف پھیرے اور خداوند کے لیے ایک مستند قوم تیار کرے“۔

”زکریا نے فرشتے سے کہا کہ میں اس بات کو کس طرح جانوں؟ کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی عمر رسیدہ ہے۔ فرشتے نے اس سے کہا میں جبرائیل ہوں جو خدا کے حضور کھڑا رہتا ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھ سے کلام کروں اور تجھے اِن باتوں کی خوشخبری دوں۔ اور دیکھ جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہو لیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے گا اس لیے کہ تو نے میری باتوں کا جو اپنے وقت پر پوری ہوں گی یقین نہ کیا۔ (یہ بیان قرآن سے مختلف ہے۔ قرآن اسے نشانی قرار دیتا ہے اور لوقا کی روایت اسے سزا کہتی ہے۔ نیز قرآن صرف تین دن کی

خاموشی کا ذکر کرتا ہے اور لوقا کہتا ہے کہ اس وقت سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش تک حضرت زکریا علیہ السلام گونگے رہے) اور لوگ زکریا علیہ السلام کی راہ دیکھتے اور تعجب کرتے تھے کہ اسے مقدس میں کیوں دیر لگی۔ جب وہ باہر آیا تو ان سے بول نہ سکا۔ پس انہوں نے معلوم کیا کہ اس نے مقدس میں رویا دیکھی ہے اور وہ ان سے اشارے کرتا تھا اور گونگا ہی رہا"۔

يٰيَحۡيٰى خُذِ الۡكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَ اٰتَيۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِيًّا ۙ﴿۱۲﴾	اے یحییٰ تھام کتاب کو مضبوطی سے *9 اور دی ہمنے اسکو دانائی *10 لڑکپن میں ۔

*9 بیچ میں یہ تفصیل چھوڑ دی گئی ہے کہ اس فرمانِ الٰہی کے مطابق حضرت یحییٰ پیدا ہوئے اور جوانی کی عمر کو پہنچے۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب وہ سن رشد کو پہنچے تو کیا کام اُن سے لیا گیا۔ یہاں صرف ایک فقرے میں اس مشن کو بیان کر دیا گیا ہے جو منصب نبوت پر مامور کرتے وقت ان کے سپرد کیا گیا تھا۔ یعنی وہ توراۃ پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہوں اور بنی اسرائیل کو اس پر قائم کرنے کی کوشش کریں۔

*10 "حکم"، یعنی قوتِ فیصلہ، قوتِ اجتہاد، تفقہ فی الدین، معاملات میں صحیح رائے قائم کرنے کی صلاحیت، اور اللہ کی طرف سے معاملات میں فیصلہ دینے کا اختیار۔

وَّ حَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً ؕ وَّ كَانَ تَقِيًّا ۙ﴿۱۳﴾	اور شفقت *11 اپنے پاس سے اور پاکیزگی ۔ اور تھا وہ پرہیزگار۔

*11 اصل میں لفظ حنان استعمال ہوا ہے جو قریب قریب ماما کا ہم معنی ہے۔ یعنی ایک ماں کو جو غایت درجے کی شفقت اپنی اولاد پر ہوتی ہے، جس کی بنا پر وہ بچے کی تکلیف پر تڑپ اُٹھتی ہے، وہ شفقت حضرت یحییٰ علیہ السلام کے دل میں بندگانِ خدا کے لیے پیدا کی گئی تھی۔

وَّ بَرًّا بِوَالِدَيۡهِ وَ لَمۡ يَكُنۡ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾	اور نیکی کرنیوالا اپنے والدین کے ساتھ اور نہیں تھا وہ سرکش نافرمان۔

وَ سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾	اور سلام ہو اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ وفات پائے اور جس دن اٹھایا جائے زندہ کر کے ۔ *12

*12 حضرت یحییٰ علیہ السلام کے جو حالات مختلف انجیلوں میں بکھرے ہوئے ہیں انہیں جمع کر کے ہم یہاں ان کی سیرت پاک کا ایک نقشہ پیش کرتے ہیں جس سے سورۂ آلِ عمران اور اس سورۃ کے مختصر اشارات کی توضیح ہوگی۔

لوقا کے بیان کے مطابق حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۶ مہینے بڑے تھے۔ ان کی والدہ اور حضرت عیسیٰ کی والدہ آپس میں قریبی رشتہ دار تھیں۔ تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں وہ نبوت کے منصب پر علاً مامور ہوئے اور یوحنا کی روایت کے مطابق انہوں نے شرقِ اُردُن کے علاقے میں دعوت الی اللہ کا کام شروع کیا۔ وہ کہتے تھے: "میں بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو"۔ (یوحنا ۱:۲۳)۔

مرقس کا بیان ہے کہ وہ لوگوں سے گناہوں کی توبہ کراتے تھے اور توبہ کرنے والوں کو بپتسمہ دیتے تھے، یعنی توبہ کے بعد غسل کراتے تھے تاکہ روح اور جسم دونوں پاک ہو جائیں۔ یہودیہ اور یروشلم کے بکثرت لوگ ان کے معتقد ہو گئے تھے اور ان کے پاس جا کر بپتسمہ لیتے تھے (مرقس ۵-۱:۴)۔ اسی بنا پر ان کا نام بپتسمہ دینے والا (John The Baptiest) مشہور ہو گیا تھا۔ عام طور پر بنی اسرائیل ان کی نبوت تسلیم کر چکے تھے (متی ۲۱:۲۶) مسیح علیہ السلام کا قول تھا کہ "جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بڑا کوئی نہیں ہوا۔" (متی ۱۱:۱۱)۔

وہ اونٹ کے بالوں کی پوشاک پہنے اور چمڑے کا پٹکا کمر سے باندھے رہتے تھے اور ان کی خوراک ٹڈیاں اور جنگلی شہد تھا (متی ۳:۴)۔ اس فقیرانہ زندگی کے ساتھ وہ منادی کرتے پھرتے تھے کہ "توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی قریب آگئی ہے" (متی ۳:۲) یعنی مسیح علیہ السلام کی دعوتِ نبوت کا آغاز ہونے والا ہے۔ اسی بنا پر ان کو عموماً حضرت مسیح کا نمائندہ کہا جاتا ہے، اور یہی بات ان کے متعلق قرآن میں کہی گئی ہے کہ مُصَدِّقًا

بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللهِ (آلِ عمران ۳۹)۔

وہ لوگوں کو روزے اور نماز کی تلقین کرتے تھے (متی ۹:۱۴ – لوقا ۵:۳۳ – لوقا ۱۱:۱) ۔ وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ "جس کے پاس دو کرتے ہوں وہ اُس کو جس کے پاس نہ ہو بانٹ دے اور جس کے پاس کھانا ہو وہ بھی ایسا ہی کرے۔ " محصول لینے والوں نے پوچھا کہ اُستاد، ہم کیا کریں تو انہوں نے فرمایا" جو تمہارے لیے مقرر ہے اس سے زیادہ نہ لینا۔" سپاہیوں نے پوچھا ہمارے لیے کیا ہدایت ہے ؟ فرمایا" نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ نا حق کسی سے کچھ لو اور اپنی تنخواہ پر کفایت کرو" (لوقا ۳:۱۰–۱۴) ۔ بنی اسرائیل کے بگڑے ہوئے علماء، فریسی اور صدُوقی ان کے پاس بپتسمہ لینے آئے تو ڈانٹ کر فرمایا" اے سانپ کے بچو! تم کو کس نے جتا دیا کہ آنے والے غضب سے بھاگو؟ ۔ اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابراہام ہمارا باپ ہے ۔ اب درختوں کی جڑوں پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے، پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا ہو کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے" (متی ۳:۷ – ۱۰)۔

ان کے عہد کا یہودی فرمانروا، ہیرود اینٹی پاس، جس کی ریاست میں وہ دعوتِ حق کی خدمت انجام دیتے تھے، سرتاپا رومی تہذیب میں غرق تھا اور اس کی وجہ سے سارے ملک میں فسق و فجور پھیل رہا تھا۔ اس نے خود اپنے بھائی فلپ کی بیوی ہیرودیاس کو اپنے گھر میں ڈال رکھا تھا۔ حضرت یحییٰ نے اس پر ہیرود کو ملامت کی اور اس کی فاسقانہ حرکات کے خلاف آواز اُٹھائی۔ اس جرم میں ہیرود نے ان کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ تاہم وہ ان کو ایک مقدس اور راستباز آدمی جان کر ان کا احترام بھی کرتا تھا اور پبلک میں ان کے غیر معمولی اثر سے ڈرتا بھی تھا۔ لیکن ہیرودیاس یہ سمجھتی تھی کہ یحییٰ علیہ السلام جو اخلاقی روح قوم میں پھونک رہے ہیں وہ لوگوں کی نگاہ میں اُس جیسی عورتوں کو ذلیل کیے دے رہی ہے۔ اس لیے وہ ان کی جان کے درپے ہوگئی۔ آخر کار ہیرود کی سالگرہ کے جشن میں اس نے وہ موقع پا لیا کہ جس کی وہ تاک میں تھی۔ جشن کے دربار میں اس کی بیٹی نے خوب رقص کیا جس پر خوش ہو کر ہیرود نے کہا مانگ کیا مانگتی ہے ۔ بیٹی نے اپنی فاحشہ ماں سے پوچھا کیا مانگوں ؟ ماں نے کہا کہ یحیٰی کا سر مانگ لے۔ چنانچہ اس نے ہیرود کے سامنے ہاتھ باندھ کر عرض کیا مجھے یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں رکھوا کر ابھی منگوا دیجیے۔ ہیرود یہ سن کر بہت غمگین ہوا، مگر محبوبہ کی بیٹی کا تقاضا کیسے رد کر سکتا تھا۔ اس نے فوراً قید خانے سے یحییٰ علیہ السلام کا سر کٹوا کر منگوایا اور ایک تھال میں رکھوا کر رقاصہ کی نذر کر دیا (متی ۱۴:۳ – ۱۲ ۔ مرقس ۶:۱۷ – ۲۹ ۔ لوقا ۳:۱۹ – ۲۰)۔

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۙ ﴿١٦﴾	اور ذکر کر کتاب میں مریم کا *13 جب کنارہ کش ہوگئی وہ اپنے گھر والوں سے مکان کے مشرقی طرف۔

*13 تقابل کے لیے تفہیم القرآن، جلد اول، آل عمران، حاشیہ نمبر ۴۲، ۵۵۔ النساء حاشیہ نمبر ۱۹۰-۱۹۱۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۖ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾	پھر کر لیا اسنے انکی طرف سے پردہ *14 تو بھیجا ہمنے اس کی طرف اپنا فرشتہ سو ظاہر ہوا وہ اسکے پاس جیسے پورا آدمی۔

*14 وہ محراب جس میں حضرت مریم معتکف تھیں بیت المقدس کے شرقی حصے میں واقع تھی اور انہوں نے معتکفین کے عام طریقے کے مطابق ایک پردہ لٹکا کر اپنے آپ کو دیکھنے والوں کی نگاہوں سے محفوظ کر لیا تھا۔ جن لوگوں نے محض بائیبل کی موافقت کی خاطر مکانًا شرقیًا سے مراد ناصرہ لیا ہے انہوں نے غلطی کی ہے، کیونکہ ناصرہ یروشلم کے شمال میں ہے۔

قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾	بولی وہ یقیناً میں پناہ لیتی ہوں رحمٰن کی تجھ سے اگر ہے تو پرہیزگار۔
قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾	کہا اسنے صرف میں پیغامبر ہوں تیرے رب کا تا کہ عطا کروں تجھے پاکیزہ لڑکا۔
قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾	بولی وہ کیونکر ہو گا میرے ہاں لڑکا جبکہ نہیں چھوا مجھے کسی مرد نے اور نہ میں ہوں بدکار۔

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَ لِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾	کہا اسنے یونہی ہو گا فرمایا تیرے رب نے یہ ہے مجھے آسان ۔ اور تاکہ بنائیں ہم اسے ایک نشانی لوگوں کے لئے *15 اور رحمت ہماری طرف سے ۔اور ہے یہ کام طے شدہ۔

15* جیساکہ ہم حاشیہ نمبر۶ میں اشارہ کرآئے ہیں، حضرت مریم کے استعجاب پر فرشتے کا یہ کہناکہ "ایسا ہی ہو گا" ہرگز اس معنی میں نہیں ہو سکتا کہ بشر تجھ کو چھوئے گا اور اس سے تیرے ہاں لڑکا پیدا ہو گا، بلکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تیرے ہاں لڑکا ہو گا باوجود اس کے کہ تجھے کسی بشر نے نہیں چھوا ہے ۔ اوپر انہی الفاظ میں حضرت زکریا کا استعجاب نقل ہوچکا ہے اور وہاں بھی فرشتے نے یہی جواب دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو مطلب اس جواب کا وہاں ہے وہی یہاں بھی ہے۔ اسی طرح سورۃ الذاریات، آیات ۲۸ – ۳۰ میں جب فرشتہ حضرت ابراہیم کو بیٹے کی بشارت دیتا ہے اور حضرت سارہ کہتی ہیں کہ مجھ بوڑھی بانجھ کے ہاں بیٹا کیسے ہو گا تو فرشتہ اُن کو جواب دیتا ہے کہ کذٰلک۔"ایسا ہی ہو گا"۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد بڑھاپے اور بانجھ پن کے باوجود ان کے ہاں اولاد ہونا ہے۔ علاوہ بریں اگر کذٰلک کا مطلب یہ لے لیا جائے کہ بشر تجھے چھوئے گا اور تیرے ہاں اسی طرح لڑکا ہو گا جیسے دنیا بھر کی عورتوں کے ہاں ہوا کرتا ہے، تو پھر بعد کے دونوں فقرے بالکل بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں یہ کہنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے کہ تیرا رب کہتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے، اور یہ کہ ہم اس لڑکے کو ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ نشانی کا لفظ یہاں صریحاً معجزے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اور اسی معنی پر یہ فقرہ بھی دلالت کرتا ہے کہ "ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے۔" لہٰذا اس ارشاد کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ہم اس لڑکے کی ذات ہی کو ایک معجزے کی حیثیت سے بنی اسرائیل کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ بعد کی تفصیلات اس بات کی خود تشریح کر رہی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کو کس طرح معجزہ بنا کر پیش کیا گیا۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾	تو حاملہ ہوگئی وہ پس چلی گئی اس کے ساتھ ایک دور کی جگہ ۔ *16

16*دُور کے مقام سے مراد بیت الحم ہے۔ حضرت مریم کا اپنے اعتکاف سے نکل کر وہاں جانا ایک فطری امر تھا۔ بنی اسرائیل کے مقدس ترین گھرانے بنی ہارون کی لڑکی، اور پھر وہ بیت المقدِس میں خدا کی عبادت کے لیے وقف ہو کر بیٹھی تھی، یکایک حاملہ ہو گئی ۔ اس حالت میں اگر وہ اپنی جائے اعتکاف پر بیٹھی رہتیں اور ان کا حمل لوگوں پر ظاہر ہو جاتا تو خاندان والے ہی نہیں ، قوم کے دوسرے لوگ بھی ان کا جینا مشکل کر دیتے ۔ اس لیے بیچاری اس شدید آزمائش میں مبتلا ہونے کے باوجود خاموشی کے ساتھ اپنے اعتکاف کا حجرہ چھوڑ کر نکل کھڑی ہوئیں تاکہ جب تک اللہ کی مرضی پوری ہو، قوم کی لعنت ملامت اور عام بدنامی سے تو بچی رہیں۔ یہ واقعہ بجائے خود اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے۔ اگر وہ شادی شدہ ہوتیں اور شوہر ہی سے ان کے ہاں بچہ پیدا ہو رہا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ میکے اور سسرال ، سب کو چھوڑ چھاڑ کر وہ زچگی کے لیے تن تنہا ایک دور دراز مقام پر چلی جاتیں۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾	پھر لے آیا اسے درد زہ کھجور کے تنے کی طرف ۔ کہنے لگی کہ کاش میں مر چکتی اس سے پہلے اور ہو گئی ہوتی بھولی بسری ۔*17

17*ان الفاظ سے اُس پریشانی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس میں حضرت مریم اس وقت مبتلا تھیں۔ موقع کی نزاکت ملحوظ رہے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان کی زبان سے یہ الفاظ دردِ زہ کی تکلیف کی وجہ سے نہیں نکلے تھے ، بلکہ یہ فکر اُن کو کھائے جا رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جس خطرناک آزمائش میں انہیں ڈالا ہے اس سے کس طرح بخیریت عہدہ برآ ہوں۔ حمل کو تو اب تک کسی نہ کسی طرح چھپا لیا۔ اب اس بچے کو کہاں لے جائیں۔ بعد کا یہ فقرہ کہ فرشتے نے اُن سے کہا ”غم نہ کر“ اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ حضرت مریم نے یہ الفاظ کیوں کہے تھے۔ شادی شدہ لڑکی کے ہاں جب پہلا بچہ پیدا ہو رہا ہو تو وہ چاہے تکلیف سے کتنی ہی تڑپے ، اُسے رنج و غم کبھی لاحق نہیں ہوا کرتا۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾	تب پکارا اس نے اسکو اسکے نیچے کی جانب سے کہ نہ غمناک ہو۔ یقیناً جاری کر دیا ہے تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ ۔
وَ هُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾	اور ہلا اپنی طرف کھجور کے تنے کو گرپڑیں گی تجھ پر کھجوریں تازہ ۔
فَكُلِيْ وَ اشْرَبِيْ وَ قَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۚ ﴿٢٦﴾	تو کھا اور پی اور ٹھنڈی رکھ آنکھیں ۔ پھر اگر تو دیکھے آدمیوں میں سے کسی کو۔ تو کہدے کہ بیشک میں نے نذر مانی ہے رحمٰن کے لئے روزے کی تو ہرگز نہیں کلام کروں گی میں آج کے دن کسی آدمی سے ۔ *18

*18 مطلب یہ ہے کہ بچے کے معاملے میں تجھے کچھ بولنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی پیدائش پر جو کوئی بھی معترض ہوا اس کا جواب اب ہمارے ذمے ہے (واضح رہے کہ بنی اسرائیل میں چپ کا روزہ رکھنے کا طریقہ رائج تھا)۔ یہ الفاظ بھی صاف بتا رہے ہیں کہ حضرت مریم کو اصل پریشانی کیا تھی۔ نیز یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ شادی شدہ لڑکی کے ہاں پہلا بچہ اگر دنیا کے معروف طریقہ پر پیدا ہو تو آخر اُسے چپ کا روزہ رکھنے کی کیا ضرورت پیش آسکتی ہے؟

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾	پھر لے آئی وہ اسکو اپنے لوگوں کے پاس اٹھائے ہوئے۔ وہ کہنے لگے اے مریم یقیناً تو کرلائی ہے بڑے غضب کی چیز۔
يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ	اے بہن ہارون کی *19 نہ تھا تیرا باپ برا

وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾	آدمی اور نہ تھی تیری ماں بدکار۔

19* "ان الفاظ کے دو مفہوم ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ انہیں ظاہری معنی میں لیا جائے اور یہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت مریم کا کوئی بھائی ہارون نامی ہو۔ دوسرے یہ کہ عربی محاورے کے مطابق اُخت ہارون کے معنی "ہارون کے خاندان کی لڑکی" لیے جائیں، کیونکہ عربی میں یہ ایک معروف طرزِ بیان ہے۔ مثلاً قبیلۂ مضر کے آدمی کو یا اخا مضر (اے مضر کے بھائی) اور قبیلۂ ہمدان کے آدمی کو یا اخا ھمدان (اے ہمدان کے بھائی) کہہ کر پکارتے ہیں۔ پہلے معنی کے حق میں دلیلِ ترجیح یہ ہے کہ بعض روایات میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معنی منقول ہوئے ہیں۔ اور دوسرے معنی کی تائید میں دلیل یہ ہے کہ موقع و محل اِس معنی کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ اس واقعہ سے قوم میں جو ہیجان برپا ہوا تھا اس کی وجہ بظاہر یہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہارون نامی ایک گمنام شخص کی کنواری بہن گود میں بچہ لیے ہوئے آئی تھی، بلکہ جس چیز نے لوگوں کا ایک ہجوم حضرت مریم کے گرد جمع کر دیا تھا وہ یہی ہو سکتی تھی کہ بنی اسرائیل کے مقدس ترین گھرانے، خانوادۂ ہارون کی ایک لڑکی اس حالت میں پائی گئی۔ اگرچہ ایک حدیث مرفوع کی موجودگی میں کوئی دوسری تاویل اصولاً قابلِ لحاظ نہیں ہو سکتی، لیکن مسلم، نِسائی اور ترمذی وغیرہ میں یہ حدیث جن الفاظ میں نقل ہوئی ہے اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ ان الفاظ کے معنی لازماً "ہارون کی بہن" ہی ہیں۔ مغیرہؓ بن شعبہ کی روایت میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ نجران کے عیسائیوں نے حضرت مغیرہ کے سامنے یہ اعتراض پیش کیا کہ قرآن میں حضرت مریم کو ہارون کی بہن کہا گیا ہے، حالانکہ حضرت ہارون ان سے سینکڑوں برس پہلے گزر چکے تھے۔ حضرت مغیرہ ان کے اس اعتراض کا جواب نہ دے سکے اور انہوں نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ ماجرا عرض کیا۔ اس پر حضور صلعم نے فرمایا کہ "تم نے یہ جواب کیوں نہ دیا کہ بنی اسرائیل اپنے نام انبیاء اور صلحاء کے نام پر رکھتے تھے؟" حضور صلعم کے اس ارشاد سے صرف یہ بات نکلتی ہے کہ لاجواب ہونے کے بجائے یہ جواب دے کر اعتراض رفع کیا جا سکتا تھا۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ	تو اشارہ کیا اس نے اس کی طرف ۔ وہ بولے

كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾	کیسے بات کریں ہم اس سے جو ہے گہوارے کا بچہ۔ *20

*20 قرآن کی معنوی تحریف کرنے والوں نے اس آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ "ہم اس سے کیا بات کریں جو کل کا بچہ ہے۔" یعنی ان کے نزدیک یہ گفتگو حضرت عیسیٰ کی جوانی کے زمانے میں ہوئی اور بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں نے کہا کہ بھلا اس لڑکے سے کیا بات کریں جو کل ہمارے سامنے گہوارے میں پڑا ہوا تھا۔ مگر جو شخص موقع و محل اور سیاق و سباق پر کچھ بھی غور کرے گا وہ محسوس کر لے گا کہ یہ محض ایک مہمل تاویل ہے جو معجزے سے بچنے کے لیے کی گئی ہے۔ اور کچھ نہیں تو ظالموں نے یہی سوچا ہوتا کہ جس بات پر اعتراض کرنے کے لیے وہ لوگ آئے تھے وہ تو بچے کی پیدائش کے وقت پیش آئی تھی نہ کہ اس کے جوان ہونے کے وقت۔ علاوہ بریں سورۂ آلِ عمران کی آیت ۴۶، اور سورۂ مائدہ کی آیت ۱۱۰ دونوں اس بات کی قطعی صراحت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے یہ کلام جوانی میں نہیں بلکہ گہوارے میں ایک نوزائیدہ بچے کی حیثیت ہی سے کیا تھا۔ پہلی آیت میں فرشتہ حضرت مریم کو بیٹے کی بشارت دیتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ لوگوں سے گہوارے میں بھی بات کرے گا اور جوان ہو کر بھی۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ خود حضرت عیسیٰ سے فرماتا ہے کہ تو لوگوں سے گہوارے میں بھی بات کرتا تھا اور جوانی میں بھی۔

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۙ ﴿٣٠﴾	بول اٹھا وہ یقیناً میں ہوں بندہ اللہ کا۔ عطا کی ہے اسنے مجھے کتاب اور بنایا ہے مجھے نبی۔
وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۖ ﴿٣١﴾	اور بنایا ہے مجھے صاحب برکت جہاں کہیں میں ہوں۔ اور حکم دیا ہے اس نے مجھے نماز کا اور زکوٰۃ کا جب تک میں رہوں زندہ۔
وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِيْ ۫ وَ لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا	اور نیک سلوک کرنے والا اپنی ماں کے ساتھ اور

شَقِيًّا ﴿٣٢﴾	نہیں بنایا ہے اسنے مجھے سرکش بدبخت۔
وَ السَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَ يَوْمَ اَمُوْتُ وَ يَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾	اور سلام ہو مجھ پر جسدن میں پیدا ہوا اور جسدن مروں گا اور جسدن اٹھایا جاؤں گا زندہ کر کے۔ *21

*21 "یہ ہے وہ "نشانی" جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں بنی اسرائیل کے سامنے پیش کی گئی۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ان کی مسلسل بدکرداریوں پر عبرتناک سزا دینے سے پہلے ان پر حجت تمام کرنا چاہتا تھا۔اس کے لیے اس نے یہ تدبیر فرمائی کہ بنی ہارون کی ایک ایسی زاہدہ و عابدہ لڑکی کو جو بیت المقدس میں معتکف اور حضرت زکریا کے زیرِ تربیت تھی، دوشیزگی کی حالت میں حاملہ کر دیا تاکہ جب وہ بچہ لیے ہوئے آئے تو ساری قوم میں ہیجان برپا ہو جائے اور لوگوں کی توجہات یکلخت اس پر مرکوز ہو جائیں۔ پھر اس تدبیر کے نتیجے میں جب ایک ہجوم حضرت مریم پر ٹوٹ پڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس نوزائیدہ بچے سے کلام کرایا تاکہ جب یہی بچہ بڑا ہو کر نبوت کے منصب پر سرفراز ہو تو قوم میں ہزاروں آدمی اس امر کی شہادت دینے والے موجود رہیں کہ اس کی شخصیت میں وہ اللہ تعالیٰ کا ایک حیرت انگیز معجزہ دیکھ چکے ہیں۔ اس پر بھی جب یہ قوم اس کی نبوت کا انکار کرے اور اس کی پیروی قبول کرنے کے بجائے اسے مجرم بنا کر صلیب پر چڑھانے کی کوشش کرے تو پھر اس کو ایسی عبرتناک سزا دی جائے جو دنیا میں کسی قوم کو نہیں دی گئی۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جدل اوّل، آلِ عمران، حاشیہ نمبر ۴۴، ۵۳۔ ۱، نساء حاشیہ نمبر ۲۱۲، ۲۱۳۔ جلد سوم، الانبیاء، حاشیہ نمبر ۸۸ –۸۹–۹۰۔ المومنون، حاشیہ نمبر ۴۳)۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٣٤﴾	یہ ہے عیسیٰ ابن مریم۔ یہ بات ہے سچی وہ جس میں یہ شک کرتے ہیں۔
مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ	نہیں ہے یہ اللہ کے لئے کہ بنائے کسی کو بیٹا۔

إِذَا قَضٰٓى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ ﴿۳۵﴾	وہ پاک ہے ۔ جب فیصلہ کرتا ہے کسی کام کا تو بس کہتا ہے اس کو کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے ۔ *22

22* یہاں تک جو بات عیسائیوں کے سامنے واضح کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ابن اللہ ہونے کا جو عقیدہ انہوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ باطل ہے ۔ جس طرح ایک معجزے سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش نے اُن کو خدا کا بیٹا نہیں بنا دیا اُسی طرح ایک دوسرے معجزے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر انہیں خدا کا بیٹا قرار دے دیا جائے ۔ عیسائیوں کی اپنی روایات میں بھی یہ بات موجود ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، دونوں ایک ایک طرح کے معجزے سے پیدا ہوئے تھے ۔ چنانچہ لوقا کی انجیل میں قرآن ہی کی طرح ان دونوں معجزوں کا ذکر ایک سلسلہ بیان میں کیا گیا ہے ۔ لیکن یہ عیسائیوں کا غلو ہے کہ وہ ایک معجزے سے پیدا ہونے والے کو اللہ کا بندہ کہتے ہیں اور دوسرے معجزے سے پیدا ہونے والے کو اللہ کا بیٹا بنا بیٹھے ہیں ۔

وَإِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾	اور بیشک اللہ رب ہے میرا اور رب ہے تمہارا تو عبادت کرو اسکی ۔ *23 یہی ہے سیدھا رستہ ۔

23* یہاں عیسائیوں کو بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت بھی وہی تھی جو تمام دوسرے انبیاء علیہم السلام لے کر آئے تھے ۔ انہوں نے اس کے سوا کچھ نہیں سکھایا تھا کہ صرف خدائے واحد کی بندگی کی جائے ۔ اب یہ جو تم نے ان کو بندے کے بجائے خدا بنا لیا ہے اور اُنہیں عبادت میں اللہ کے ساتھ شریک کر رہے ہو، یہ تمہاری اپنی ایجاد ہے ۔ تمہارے پیشوا کی یہ تعلیم ہرگز نہیں تھی ۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اوّل ، آلِ عمران، حاشیہ نمبر ٦٨، مائدہ ، حاشیہ نمبر ١٠٠ – ١٠١ – ١٣٠ ۔ جلد چہارم الزخرف حواشی نمبر ٥٧ – ٥٨) ۔

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ	پھر اختلاف کرنے لگے فرقے آپس میں *24 ۔ سو

لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾	خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا حاضر ہونے کے وقت ایک بڑے دن کے ۔

24*یعنی عیسائیوں کے گروہ۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾	خوب سننے والے ہونگے وہ اور خوب دیکھنے والے اسدن جب آئیں گے یہ ہمارے سامنے ۔ لیکن ظالم آج کھلی گمراہی میں ہیں۔
وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾	اور ڈرا انکو حسرت کے دن سے جب فیصلہ کر دیا جائے گا معاملے کا اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے۔
اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَ مَنْ عَلَيْهَا وَ اِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾	یقیناً ہم ہی ہیں جو وارث ہونگے زمین کے اور جو کچھ ہے اس پر ۔ اور ہماری طرف وہ لوٹا دیے جا ئیں گے۔ 25*

25*یہاں وہ تقریر ختم ہوتی ہے جو عیسائیوں کو سنانے کے لئے نازل فرمائی گئی تھی۔ اِس تقریر کی عظمت کا صحیح اندازہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ آدمی اس کو پڑھتے وقت وہ تاریخی پس منظر نگاہ میں رکھے جو ہم نے اِس سورۃ کے دیباچے میں بیان کیا ہے۔ یہ تقریر اُس موقع پر نازل ہوئی تھی جبکہ مکے کے مظلوم مسلمان ایک عیسائی سلطنت میں پناہ لینے کے لیے جارہے تھے، اور اس غرض کے لیے نازل کی گئی تھی کہ جب وہاں مسیح کے متعلق اسلامی عقائد کا سوال چھڑے تو یہ "سرکاری بیان" عیسائیوں کو سنا دیا جائے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت اس امر کا ہو سکتا ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو کسی حال میں بھی حق و صداقت کے معاملے میں مداہنت برتنا نہیں سکھایا ہے ۔ پھر وہ سچے مسلمان جو حبش کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے، اُن کی قوتِ

ایمانی بھی حیرت انگیز ہے کہ انہوں نے عین دربارِ شاہی میں ایسے نازک موقع پر اُٹھ کر یہ تقریر سنادی جبکہ نجاشی کے تمام اہلِ دربار رشوت کھا کر اُنہیں ان کے دشمنوں کے سپرد کر دینے پر تل گئے تھے۔ اُس وقت اس امر کا پورا خطرہ تھا کہ مسیحیت کے بنیادی عقائد پر اسلام کا یہ بے لاگ تبصرہ سن کر نجاشی بھی بگڑ جائے گا اور ان مظلوم مسلمانوں کو قریش کے قصائیوں کے حوالے کر دے گا مگر اس کے باوجود انہوں نے کلمۂ حق پیش کرنے میں ذرّہ برابر تامل نہ کیا۔

وَ اذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ اِبۡرٰہِیۡمَ ؕ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیۡقًا نَّبِیًّا ﴿۴۱﴾	اور ذکر کر کتاب میں ابراہیم کا۔ *26 بیشک وہ تھا سچا انسان ایک نبی۔

*26 یہاں سے خطاب کا رُخ اہلِ مکہ کی طرف پھر رہا ہے جنہوں نے اپنے نوجوان بیٹوں، بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں کو اُسی طرح خدا پرستی کے جرم میں گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے باپ اور بھائی بندوں نے دیس نکالا دیا تھا۔ اس غرض کے لیے دوسرے انبیاء کو چھوڑ کر خاص طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کا انتخاب اس لیے کیا گیا کہ قریش کے لوگ ان کو اپنا پیشوا مانتے تھے اور انہی کی اولاد ہونے پر عرب میں اپنا فخر جتایا کرتے تھے۔

اِذۡ قَالَ لِاَبِیۡہِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا یَسۡمَعُ وَ لَا یُبۡصِرُ وَ لَا یُغۡنِیۡ عَنۡکَ شَیۡـًٔا ﴿۴۲﴾	جب کہا اس نے اپنے باپ سے اے میرے باپ کیوں پوجتا ہے تو ایسی چیز کو جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ کام آسکے تیرے کچھ بھی۔
یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ قَدۡ جَآءَنِیۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَمۡ یَاۡتِکَ فَاتَّبِعۡنِیۡۤ اَہۡدِکَ صِرَاطًا سَوِیًّا ﴿۴۳﴾	اے میرے باپ یقیناً میرے پاس آیا ہے ایسا علم جو نہیں ملا تجھ کو تو پیروی کر میری۔ میں لے چلوں گا تجھ کو ایک سیدھی راہ پر۔

يٰٓاَبَتِ لَا تَعۡبُدِ الشَّيۡطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾	اے میرے باپ نہ عبادت کر شیطان کی۔ *27 بیشک شیطان ہے رحمٰن کا نافرمان۔

*27 اصل الفاظ ہیں لَا تَعۡبُدِ الشَّيۡطٰن، یعنی "شیطان کی عبادت نہ کریں"۔ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد اور قوم کے دوسرے لوگ عبادت بتوں کی کرتے تھے، لیکن چونکہ اطاعت وہ شیطان کی کر رہے تھے، اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی اِس اطاعت شیطان کو بھی عبادتِ شیطان قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت محض پوجا اور پرستش ہی کا نام نہیں بلکہ اطاعت کا نام بھی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی پر لعنت کرتے ہوئے بھی اس کی بندگی بجا لائے تو وہ اُس کی عبادت کا مجرم ہے، کیونکہ شیطان بہرحال کسی زمانے میں بھی لوگوں کا "معبود" (بمعنی معروف) نہیں رہا ہے بلکہ ان کے نام پر ہر زمانے میں لوگ لعنت ہی بھیجتے رہے ہیں۔ (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد سوم، الکہف، حاشیہ ۴۹-۵۰)۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اَنۡ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ فَتَكُوۡنَ لِلشَّيۡطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾	اے میرے باپ یقیناً میں ڈرتا ہوں کہ چھو جائے تجھ کو عذاب رحمٰن کی طرف سے تو ہو جائے تو شیطان کا ساتھی۔
قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِهَتِىۡ يٰٓاِبۡرٰهِيۡمُ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ لَاَرۡجُمَنَّكَ وَاهۡجُرۡنِىۡ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾	اس نے کہا کیا پھر گیا ہے تو میرے معبودوں سے اے ابراہیم۔ اگر نہ تو باز آئے گا تو میں ضرور سنگسار کر دونگا تجھے اور چھوڑ دے مجھے طویل عرصے۔
قَالَ سَلٰمٌ عَلَيۡكَ ۚ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَكَ رَبِّىۡ	کہا اسنے سلام تجھ پر۔ میں مغفرت مانگوں گا

ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ﴿۴۷﴾	تیرے لئے اپنے رب کی- بیشک وہ ہے مجھ پر نہایت مہربان ۔
وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ اَدْعُوْا رَبِّیْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾	اور میں کنارہ کرتا ہوں تم سے اور جنکو پکارا کرتے ہو تم اللہ کے سوا اور پکاروں گا میں اپنے رب کو۔امید ہے کہ نہیں رہوں گا میں پکار کر اپنے رب کو نامراد۔
فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا نَبِیًّا ﴿۴۹﴾	پھر جب ہو گیا وہ علیحدہ ان سے اور جنکی وہ عبادت کرتے تھے اللہ کے سوا ۔ عطا کئے ہم نے اسکو اسحٰق اور یعقوب۔اور ہر ایک کو بنایا ہم نے نبی ۔
وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾	اور عطا کیا ہم نے بہت انکو اپنی رحمت سے اور ہم نے کر دیا انکا ذکر جمیل بہت بلند۔ *28

*28 یہ حرفِ تسلی ہے اُن مہاجرین کے لیے جو گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ ان کو بتایا جارہا ہے کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام اپنے خاندان سے کٹ کر برباد نہ ہوئے بلکہ اُلٹے سربلند و سرفراز ہو کر رہے اُسی طرح تم بھی برباد نہ ہو گے بلکہ وہ عزّت پاؤ گے جس کا تصوّر بھی جاہلیت میں پڑے ہوئے کفارِ قریش نہیں کر سکتے۔

وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى ۫ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ﴿۵۱﴾	اور ذکر کر کتاب میں موسیٰ کا۔ بیشک وہ تھا منتخب کیا ہوا *29 اور تھا رسول ایک نبی ۔ *30

29*اصل میں لفظ مخلص استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں "خالص کیا ہوا"۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ایسے شخص تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے خالص اپنا کر لیا تھا۔

30*"رسول" کے معنی ہیں "فرستادہ"، "بھیجا ہوا"۔ اس معنی کے لحاظ سے عربی زبان میں قاصد، پیغام بر، ایلچی اور سفیر کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور قرآن میں یہی لفظ یا تو ان ملائکہ کے لیے استعمال ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کارِ خاص پر بھیجے جاتے ہیں، یا پھر اُن انسانوں کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خلق کی طرف اپنا پیغام پہنچانے کے لیے مامور فرمایا۔

"نبی" کے معنی میں اہلِ لغت کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض اس کو لفظ نبا سے مشتق قرار دیتے ہیں جس کے معنی خبر کے ہیں، اور اس اصل کے لحاظ سے نبی کے معنی "خبر دینے والا" کے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کا مادّہ نبو ہے، یعنی رفعت اور بلندی۔ اور اس معنی کے لحاظ سے نبی کا مطلب ہے "بلند مرتبہ" اور "عالی مقام"۔ ازہری نے کسائی سے ایک تیسرا قول بھی نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ لفظ دراصل نبیّ ہے جس کے معنی طریق اور راستے کے ہیں، اور انبیاء کو نبی اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کی طرف جانے کا راستہ ہیں۔

پس کسی شخص کو "رسول نبی" کہنے کا مطلب یا تو "عالی مقام پیغمبر" ہے، یا "اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دینے والا پیغمبر"، یا پھر "وہ پیغمبر جو اللہ کا راستہ بتانے والا ہے"۔

قرآن مجید میں یہ دونوں الفاظ بالعموم ہم معنی استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی شخصیت کو کہیں صرف رسول کہا گیا ہے اور کہیں صرف نبی اور کہیں رسول اور نبی ایک ساتھ۔ لیکن بعض مقامات پر رسول اور نبی کے الفاظ اس طرح بھی استعمال ہوئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں میں مرتبے یا کام کی نوعیت کے لحاظ سے کوئی اصطلاحی فرق ہے۔ مثلاً سورۃ الحج، رکوع ۷ میں فرمایا وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ "ہم نے تم سے پہلے نہیں بھیجا کوئی رسول اور نہ نبی مگر" یہ الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ رسول اور نبی دو الگ اصطلاحیں ہیں جن کے درمیان کوئی معنوی فرق ضرور ہے۔ اسی بنا پر اہلِ تفسیر میں یہ بحث چل پڑی ہے کہ اس فرق کی نوعیت کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قطعی دلائل کے ساتھ کوئی بھی

رسول اور نبی کی الگ الگ حیثیتوں کو تعین نہیں کر سکا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول کا لفظ نبی کی بہ نسبت خاص ہے، یعنی ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے، مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا، یا بالفاظِ دیگر انبیاء میں سے رسول کا لفظ اُن جلیل القدر ہستیوں کے لیے بولا گیا ہے جن کو عام انبیاء کی بہ نسبت زیادہ اہم منصب سپرد کیا گیا تھا۔ اِسی کی تائید اُس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جو امام احمد نے حضرت ابو اُمامہ سے اور حاکم نے حضرت ابو ذر سے نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رسولوں کی تعداد پوچھی گئی تو آپ نے ۳۱۳ یا ۳۱۵ بتائی اور انبیاء کی تعداد پوچھی گئی تو آپ نے ایک لاکھ ۲۴ ہزار بتائی۔ اگرچہ اس حدیث کی سندیں ضعیف ہیں، مگر کئی سندوں سے ایک بات کا نقل ہونا اس کے ضعف کو بڑی حد تک دور کر دیتا ہے۔

وَ نَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾	اور پکارا ہم نے اسکو طور کی داہنی طرف سے *31 اور ہمنے تقرب عطا کیا اسے ہمکلامی کے لئے۔ *32

*31 کوہِ طور کے داہنی جانب سے مراد اس کا مشرقی دامن ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر جاتے ہوئے اُس راستہ سے گزر رہے تھے جو کوہِ طور کے جنوب سے جاتا ہے، اور جنوب کی طرف سے اگر کوئی شخص طور کو دیکھے تو اس کے دائیں جانب مشرق اور بائیں جانب مغرب ہو گا، اس لیے حضرت موسیٰؑ کی نسبت سے طور کے مشرقی دامن کو "داہنی جانب" فرمایا گیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بجائے خود پہاڑ کا کوئی دایاں یا بایاں رُخ نہیں ہوتا۔

*32 تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اوّل، النساء، حاشیہ نمبر ۲۰۶۔

وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾	اور عطا کیا اسے اپنی مہربانی سے اس کا بھائی ہارون ایک نبی ۔
وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ	اور ذکر کر کتاب میں اسماعیل کا ۔ بیشک وہ تھا

صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۚ ﴿٥٤﴾	سچا اپنے وعدے کا اور وہ تھا رسول ایک نبی ۔
وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ ۪ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾	اور وہ حکم کرتا تھا اپنے گھر والوں کو نماز کا اور زکوٰۃ کا ۔اور وہ تھا اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ۔
وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۙ﴿٥٦﴾	اور ذکر کر کتاب میں ادریس کا *33 بیشک وہ تھا نہایت سچا ایک نبی۔

*33 حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ بنی اسرائیل میں سے کوئی نبی تھے۔ مگر اکثریت اس طرف گئی ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام سے بھی پہلے گزرے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث ہم کو ایسی نہیں ملی جس سے ان کی شخصیت کے تعین میں کوئی مدد ملتی ہو۔ البتہ قرآن کا ایک اشارہ اس خیال کی تائید کرتا ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام سے متقدم ہیں۔ کیونکہ بعد والی آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ انبیاء جن کا ذکر اوپر گزرا ہے، آدم علیہ السلام کی اولاد، نوح علیہ السلام کی اولاد، ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور اسرائیل کی اولاد سے ہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ حضرت یحییٰ، عیسیٰ اور موسیٰ علیہم السلام تو بنی اسرائیل میں سے ہیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام اولادِ ابراہیم علیہ السلام سے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اولادِ نوح علیہ السلام سے، اس کے بعد صرف حضرت ادریسؑ علیہ السلام ہی رہ جاتے ہیں جن کے متعلق یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اولادِ آدم علیہ السلام سے ہیں۔

مفسرین کا عام خیال یہ ہے کہ بائیبل میں جن بزرگ کا نام حنوک (Enoch) بتایا گیا ہے، وہی حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ ان کے متعلق بائیبل کا بیان یہ ہے:

"اور حنوک پینسٹھ برس کا تھا جب اس سے متوسلح پیدا ہوا اور متوسلح کی پیدائش کے بعد حنوک تین سو برس تک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اور وہ غائب ہو گیا کیونکہ خدا نے اسے اُٹھا لیا"۔ (پیدائش، باب ۵ – آیت ۲۱–۲۴)۔

تلمود کی اسرائیلی روایات میں ان کے حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ بتائے گئے ہیں ۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے جب بنی آدم میں بگاڑ کی ابتدا ہوئی تو خدا کے فرشتے نے حنوک کو، جو لوگوں سے الگ تھلگ زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے، پکارا کہ "اے حنوک، اُٹھو، گوشۂ عزلت سے نکلو اور زمین کے باشندوں میں چل پھر کر ان کو وہ راستہ بتاؤ جس پر ان کو چلنا چاہیے اور وہ طریقے بتاؤ جن پر انہیں عمل کرنا چاہیے"۔ یہ حکم پاکر وہ نکلے اور انہوں نے جگہ جگہ لوگوں کو جمع کر کے وعظ و تلقین کی اور نسلِ انسانی نے ان کی اطاعت قبول کر کے اللہ کی بندگی اختیار کر لی۔ حنوک ۳۵۳ برس تک نسلِ انسانی پر حکمراں رہے۔ ان کی حکومت انصاف اور حق پرستی کی حکومت تھی۔ ان کے عہد میں زمین پر خدا کی رحمتیں برستی رہیں۔ The - Talmud Selections، PP - 18-21

وَّ رَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾	اور اٹھالیا ہمنے اسکو ایک بلند مقام پر۔ *34

*34 اس کا سیدھا سادھا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو بلند مرتبہ عطا کیا تھا، لیکن اسرائیلی روایات سے منتقل ہوکر یہ بات ہمارے ہاں بھی مشہور ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھا لیا۔ بائیبل میں تو صرف اسی قدر ہے کہ وہ غائب ہوگئے کیونکہ "خدا نے ان کو اُٹھا لیا"، مگر تلمود میں اس کا ایک طویل قصہ بیان ہوا ہے جس کا خاتمہ اس پر ہوتا ہے کہ "حنوک ایک بگولے میں آتشیں رتھ اور گھوڑوں سمیت آسمان پر چڑھ گئے"۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنۡ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ وَّمِنۡ ذُرِّيَّةِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡرَآءِيۡلَ وَمِمَّنۡ هَدَيۡنَا وَاجۡتَبَيۡنَا ؕ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُ الرَّحۡمٰنِ خَرُّوۡا	یہ تھے وہ انعام فرمایا اللہ نے جن پر نبیوں میں اولاد آدم میں سے ۔ اور ان میں سے جنکو سوار کیا ہم نے نوح کے ساتھ ۔ اور اولاد میں سے ابراہیم اور اسرائیل کی اور ان میں سے جنکو ہم نے ہدایت دی اور منتخب کیا ہم نے جب پڑھی جاتی تھیں ان کے سامنے آیتیں رحمٰن کی تو گر

سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ﴿۵۸﴾ (سجدہ)	پڑتے تھے سجدے میں اور روتے ہوئے (سجدہ)
فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ ﴿۵۹﴾	پھر جانشین ہوئے ان کے بعد ناخلف جنہوں نے ضائع کر دیا نماز کو۔ *35 اور پیچھے لگ گئے خواہشات کے *36 سو عنقریب وہ ملیں گے تباہی سے۔

*35 یعنی نماز پڑھنی چھوڑ دی، یا نماز سے غفلت اور بے پروائی برتنے لگے۔ یہ ہر اُمت کے زوال و انحطاط کا پہلا قدم ہے۔ نماز وہ اوّلین رابطہ ہے جو مومن کا زندہ اور عملی تعلق خدا کے ساتھ شب و روز جوڑے رکھتا ہے اور اسے خدا پرستی کے مرکز و محور سے بچھڑنے نہیں دیتا۔ یہ بندھن ٹوٹتے ہی آدمی خدا سے دور اور دُور تر ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ عملی تعلق سے گزر کر اس کا خیالی تعلق بھی خدا کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بات ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر بیان فرمائی ہے کہ پچھلے تمام انبیاء کی اُمتوں کا بگاڑ نماز ضائع کرنے سے شروع ہوا ہے۔

*36 یہ تعلق باللہ کی کمی اور اس کے فقدان کا لازمی نتیجہ ہے۔ نماز کی اضاعت سے جب دل خدا کی یاد سے غافل رہنے لگے تو جوں جوں یہ غفلت بڑھتی گئی، خواہشات نفس کی بندگی میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ ان کے اخلاق اور معاملات کا ہر گوشہ احکامِ الٰہی کے بجائے اپنے من مانے طریقوں کا پابند ہو کر رہا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ ﴿۶۰﴾	مگر وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل کئے نیک تو ایسے لوگ داخل ہوں گے بہشت میں اور نہ ظلم کیا جائے گا ان پر ذرا بھی۔
جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾	باغات ہمیشہ کے جن کا وعدہ کیا ہے رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ *37۔ بیشک اسکا وعدہ ہے پورا ہونیوالا۔

37*یعنی جس کا وعدہ رحمٰن نے اس حالت میں کیا ہے کہ وہ جنتیں ان کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں۔

لَّا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿٦٢﴾	نہ سنیں گے وہ اس میں بیہودہ کلام سوائے سلام کے*38 ۔ اور ان کے لئے ہے انکا رزق اس میں صبح اور شام ۔

38*اصل میں لفظ "سلام" استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں عیب اور نقص سے محفوظ ۔ جنت میں جو نعمتیں انسان کو میسر ہوں گی ان میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہوگی کہ وہاں کوئی بیہودہ اور فضول اور گندی بات سننے میں نہ آئے گی۔ وہاں کا پورا معاشرہ ایک ستھرا اور سنجیدہ اور پاکیزہ معاشرہ ہو گا جس کا ہر فرد سلیم الطبع ہو گا۔ وہاں کے رہنے والوں کو غیبتوں اور گالیوں اور فحش گانوں اور دوسری بری آوازوں کی سماعت سے پوری نجات مل جائے گی۔ وہاں آدمی جو کچھ بھی سنے گا، بھلی اور معقول اور بجا باتیں ہی سنے گا۔ اِس نعمت کی قدر وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو اس دنیا میں فی الواقع ایک پاکیزہ اور ستھرا ذوق رکھتا ہو۔ کیونکہ وہی یہ محسوس کر سکتا ہے کہ انسان کے لیے ایک ایسی گندی سوسائیٹی میں رہنا کتنی بڑی مصیبت ہے جہاں کسی وقت بھی اس کے کان جھوٹ، غیبت، فتنہ وفساد، شرارت، گندگی اور شہوانیت کی باتوں سے محفوظ نہ ہوں۔"

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾	یہی وہ جنت ہے جس کا وارث بنائیں گے ہم اپنے بندوں میں سے اس کو جو ہے پرہیزگار۔
وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۚ ﴿٦٤﴾	اور*39 ہم (فرشتے) نہیں اترتے مگر حکم سے تیرے رب کے۔ اسی کا ہے جو کچھ ہے ہمارے آگے اور جو کچھ ہے ہمارے پیچھے اور جو کچھ ہے درمیان اسکے ۔ اور نہیں ہے تیرا رب بھولنے والا۔

39* یہ پورا پیراگراف ایک جملۂ معترضہ ہے جو ایک سلسلہ کلام کو ختم کر کے دوسرا سلسلہ کلام شروع کرنے سے پہلے ارشاد ہوا ہے۔ انداز کلام صاف بتا رہا ہے کہ یہ سورۃ بڑی دیر کے بعد ایسے زمانے میں نازل ہوئی ہے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہ بڑے اضطراب انگیز حالات سے گزر رہے ہیں۔ حضور ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابیوں کو ہر وقت وحی کا انتظار ہے تاکہ اس سے رہنمائی بھی ملے اور تسلی بھی حاصل ہو۔ جوں جوں وحی آنے میں دیر ہو رہی ہے اضطراب بڑھتا جاتا ہے۔ اس حالت میں جبریل علیہ السلام فرشتوں کے ساتھ تشریف لاتے ہیں۔ پہلے وہ فرمان سناتے ہیں جو موقع کی ضرورت کے لحاظ سے فوراً درکار تھا۔ پھر آگے بڑھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے اشارے سے یہ چند کلمات اپنی طرف سے کہتے ہیں جن میں اتنی دیر تک اپنے حاضر نہ ہونے کی معذرت بھی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرفِ تسلی بھی، اور ساتھ ساتھ صبر و ضبط کی تلقین بھی۔

یہ صرف کلام کی اندرونی شہادت ہی نہیں ہے بلکہ متعدّد روایات بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں جنہیں ابنِ جریر، ابنِ کثیر اور صاحب روح المعانی وغیرہم نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَهُمَا فَاعۡبُدۡهُ وَ اصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِیًّا ﴿۶۵﴾	رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ہے ان دونوں کے درمیان۔ تو عبادت کر اسی کی اور ثابت قدم رہ اسکی عبادت پر *40۔ کیا تو جانتا ہے اس کا کوئی ہم نام۔ *41

40*یعنی اس کی بندگی کے راستے پر مضبوطی کے ساتھ چلو اور اس راہ میں جو مشکلات اور مصائب بھی پیش آئیں ان کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرو۔ اگر اس کی طرف سے یاد فرمائی اور مدد اور تسلی میں کبھی دیر لگ جایا کرے تو اس پر گھبراؤ نہیں۔ ایک مطیع فرمان بندے کی طرح ہر حال میں اس کی مشیت پر راضی رہو اور پورے عزم کے ساتھ وہ خدمت انجام دیے چلے جاؤ جو ایک بندے اور رسول کی حیثیت سے تمہارے سپرد کی گئی ہے۔

41*اصل میں لفظ سمی استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنی "ہم نام" کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تو الٰہ

ہے، کیا کوئی دوسرا الٰہ بھی تمہارے علم میں ہے؟ اگر نہیں ہے اور تم جانتے ہو کہ نہیں ہے تو پھر تمہارے لیے اس کے سوا اور راستہ ہی کونسا ہے کہ اس کی بندگی کرو اور اس کے حکم کے بندے بن کر رہو۔

وَ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾	اور کہتا ہے انسان کہ کیا جب میں مر جاؤنگا تو پھر نکالا جاؤں گا زندہ کر کے۔
اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿٦٧﴾	اور کیا نہیں یاد کرتا انسان کہ یقیناً ہم نے پیدا کیا تھا اس کو پہلے اور نہ تھا وہ کچھ بھی چیز۔
فَوَ رَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَ الشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾	سو قسم ہے تیرے رب کی یقیناً جمع کریں گے ہم انکو اور شیطانوں کو *42 پھر یقیناً حاضر کریں گے ہم انکو جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے۔

*42 یعنی اُن شیاطین کو جن کے یہ چیلے بنے ہوئے ہیں، اور جن کے سکھائے پڑھائے میں آکر انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ زندگی جو کچھ بھی ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے، اس کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں جہاں ہمیں خدا کے سامنے حاضر ہونا اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہو۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾	پھر ضرور کھینچ نکالیں گے ہم ہر گروہ میں سے ایسوں کو جو تھے زیادہ سخت رحمٰن کے مقابلے میں سرکشی میں۔ *43

*43 یعنی باغی گروہ کا لیڈر۔

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾	پھر یقیناً ہم خوب واقف ہیں ان لوگوں سے جو زیادہ مستحق ہیں اس میں ڈالے جانے کے۔

وَ اِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ۚ ﴿۷۱﴾	اور نہیں تم میں سے کوئی مگر اسے گذرنا ہو گا اسپر۔ *44 ہے یہ تیرے رب پر لازم جو ضرور پورا ہوکر رہیگا۔

*44 وارد ہونے کے معنی بعض روایات میں داخل ہونے کے بیان کیے گئے ہیں، مگر ان میں سے کسی کی سند بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک قابلِ اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچتی۔ اور پھر یہ بات قرآن مجید اور اُن کثیر التعداد صحیح احادیث کے بھی خلاف ہے جن میں مومنین صالحین کے دوزخ میں جانے کی قطعی نفی کی گئی ہے۔ مزید برآں لغت میں بھی ورد کے معنی دخول کے نہیں ہیں۔ اس لیے اس کا صحیح مطلب یہی ہے کہ جہنم پر گذر تو سب کا ہو گا مگر، جیسا کہ بعد والی آیت بتا رہی ہے، پرہیز گار لوگ اس سے بچا لیے جائیں گے اور ظالم اس میں جھونک دیے جائیں گے۔

ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾	پھر نجات دیں گے ہم انکو جو متقی ہیں اور چھوڑ دینگے ظالموں کو اسمیں گھٹنوں کے بل گرا ہوا۔
وَ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا ۙ اَىُّ الۡفَرِيۡقَيۡنِ خَيۡرٌ مَّقَامًا وَّ اَحۡسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾	اور جب پڑھی جاتی ہیں انکے سامنے ہماری واضح آیتیں تو کہتے ہیں وہ جنہوں نے کفر کیا ان سے جو ایمان لائے کہ کون دو فریقوں میں ہے بہتر مقام میں اور عمدہ مجلس میں۔ *45

*45 یعنی ان کا استدلال یہ تھا کہ دیکھ لو، دنیا میں کون اللہ کے فضل اور اس کی نعمتوں سے نوازا جا رہا ہے۔ کس کے گھر زیادہ شاندار ہیں؟ کس کا معیارِ زندگی زیادہ بلند ہے؟ کس کی محفلیں زیادہ ٹھاٹھ سے جمتی ہیں؟ اگر یہ سب کچھ ہمیں میسر ہے اور تم اس سے محروم ہو تو خود سوچ لو کہ آخر یہ کیسے ممکن تھا کہ ہم باطل پر ہوتے اور یوں

مزے اُڑاتے اور تم حق پر ہوتے اور اس طرح خستہ و درماندہ رہتے؟ مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن ،جلد سوم، الکہف حواشی ۳۷، ۳۸۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْيًا ﴿٧٤﴾	اور کتنی ہی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے امتیں کہ وہ تھے بہتر سامان اور نمائش میں۔
قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا ﴿٧٥﴾	کہدے کہ وہ جو ہے گمراہی میں پڑا ہوا تو ڈھیل دیئے جاتا ہے اسے رحمٰن ۔خوب ڈھیل۔ یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے وہ جس کا وعدہ کیا جاتا ہے ان سے خواہ عذاب اور خواہ قیامت۔ تو وہ جان لیں گے کون ہے جو ہے برا مکان میں اور کمزور لشکر میں۔
وَ يَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾	اور بڑھا دیتا ہے اللہ ان لوگوں کو جو ہدایت پر ہیں مزید ہدایت میں ۔*46 اور باقی رہ جانے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے نزدیک صلے کے لحاظ سے اور بہتر انجام کے لئے۔

46*یعنی ہر آزمائش کے موقع پر اللہ تعالیٰ انکو صحیح فیصلے کرنے اور صحیح راستہ اختیار کرنے کی توفیق بخشتا ہے ، اُنکو برائیوں اور غلطیوں سے بچاتا ہے اور اس کی ہدایت و رہنمائی سے وہ برابر راہِ راست پر بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ؕ ﴿٧٧﴾	کیا دیکھا تو نے اس شخص کو جس نے کفر کیا ہماری آیتوں سے اور کہنے لگا کہ میں ضرور دیا جاؤں گا مال اور اولاد ۔*47

47*یعنی وہ کہتا ہے کہ تم مجھے خواہ کتنا ہی گمراہ و بدکار کہتے رہو اور عذابِ الٰہی کے ڈراوے دیا کرو، میں تو آج بھی تم سے زیادہ خوشحال ہوں اور آئندہ بھی مجھ پر نعمتوں کی بارش ہوتی رہے گی۔ میری دولت دیکھو، میری وجاہت اور ریاست دیکھو، میرے نامور بیٹوں کو دیکھو، میری زندگی میں آخر تمہیں کہاں یہ آثار نظر آتے ہیں کہ میں خدا کا مغضوب ہوں؟ - یہ مکے میں کسی ایک شخص کے خیالات نہ تھے، بلکہ کفارِ مکہ کا ہر شیخ اور سردار اسی خبط میں مبتلا تھا۔

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾	کیا خبر پالی ہے اس نے غیب کی یا لے لیا ہے اس نے رحمٰن سے کوئی عہد۔
كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾	ہرگز نہیں۔ ہم لکھ لیں گے اس کو جو یہ کہتا ہے *48 اور بڑھاتے جائینگے ہم اسکے لئے عذاب کو طویل تر۔

48*یعنی اس کے جرائم کے ریکارڈ میں اس کا یہ کلمہ غرور بھی شامل کر لیا جائے گا اور اس کا مزا بھی اسے چکھنا پڑے گا۔

وَ نَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَ يَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾	اور وارث ہوں گے ہم اسکے جو یہ کہتا ہے اور یہ آئے گا ہمارے سامنے اکیلا۔
وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾	اور بنا لئے ہیں انہوں نے اللہ کے سوا معبود تاکہ ہوں وہ ان کے مددگار۔ *49

49*اصل میں لفظ عزًّا استعمال ہوا ہے، یعنی وہ ان کے لیے سببِ عزّت ہوں۔ مگر عزّت سے مراد عربی زبان میں کسی شخص کا ایسا طاقت ور اور زبردست ہونا ہے کہ اس پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے اور ایک شخص کا دوسرے شخص کے لیے سببِ عزت بننا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اس کی حمایت پر ہو جس کی وجہ سے اس کا

کوئی مخالف اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکے۔

كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾	ہرگز نہی۔ وہ انکار کرینگے انکی عبادت کا *50 اور ہوجائیں گے ان کے مخالف۔

*50 یعنی وہ کہیں گے کہ نہ ہم نے کبھی اِن سے کہا تھا کہ ہماری عبادت کرو، اور نہ ہمیں یہ خبر تھی کہ یہ احمق لوگ ہماری عبادت کر رہے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۙ﴿٨٣﴾	کیا نہیں دیکھا تو نے کہ چھوڑ رکھا ہے ہم نے شیطانوں کو کافروں پر وہ اکساتے ہیں انکو زیادہ اکساہٹ پر۔
فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۚ﴿٨٤﴾	تو نہ عجلت کر ان پر۔ در حقیقت گن رہے ہیں ہم انکے لئے چند دن۔ *51

*51 مطلب یہ ہے کہ اِن کی زیادتیوں پر تم بے صبر نہ ہو۔ اِن کی شامت قریب آلگی ہے۔ پیمانہ بھرا چاہتا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی مہلت کے کچھ دن باقی ہیں، اُنہیں پورا ہو لینے دو۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۙ﴿٨٥﴾	جس دن جمع کریں گے ہم متقیوں کو رحمٰن کے سامنے بطور مہمان۔
وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۙ﴿٨٦﴾	اور ہانک لے جائیں گے ہم مجرموں کو دوزخ کی طرف جیسے پیاسے جانور۔
لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ	نہ اختیار رکھیں گے یہ سفارش کا مگر وہ کہ جس

الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا ﴿۸۷﴾	نے لے لیا ہو رحمٰن سے ایک اقرار۔ *52

52*یعنی سفارش اسی کے حق میں ہوگی جس نے پروانہ حاصل کیا ہو، اور وہی سفارش کر سکے گا جسے پروانہ ملا ہو۔ آیت کے الفاظ ایسے ہیں جو دونوں پہلوؤں پر یکساں روشنی ڈالتے ہیں۔
یہ بات کہ سفارش صرف اسی کے حق میں ہو سکے گی جس نے رحمان سے پروانہ حاصل کر لیا ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے دنیا میں ایمان لا کر اور خدا سے کچھ تعلق جوڑ کر اپنے آپ کو خدا کے عفو و درگزر کا مستحق بنا لیا ہو۔ اور یہ بات کہ سفارش وہی کر سکے گا جس کو پروانہ ملا ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے جن جن کو اپنا شفیع اور سفارشی سمجھ لیا ہے وہ سفارشیں کرنے کے مجاز نہ ہوں گے بلکہ خدا خود جس کو اجازت دے گا وہی شفاعت کے لیے زبان کھول سکے گا۔

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾	اور کہتے ہیں کہ بنا لیا ہے رحمٰن نے بیٹا۔
لَقَدۡ جِئۡتُمۡ شَيۡـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾	یقیناً بنا لائے ہو تم ایک بات سخت بیہودہ۔
تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡهُ وَ تَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَ تَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾	قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اس سے اور شق ہو جائے زمین اور گر پڑیں پہاڑ پارہ پارہ ہو کر۔
اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾	کہ تجویز کیا انہوں نے رحمٰن کیلئے بیٹا۔
وَ مَا يَنۡۢبَغِىۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾	اور نہیں ہے شایاں رحمٰن کے لئے کہ وہ بنائے بیٹا۔
اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ﴿۹۳﴾	نہیں ہے کوئی جو ہے آسمانوں میں اور زمین میں مگر آئے گا رحمٰن کے روبرو بطور بندہ۔

لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَ عَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾	یقیناً احاطہ کر رکھا ہے اسنے انکا اور شمار کر رکھا ہے ان کا گن گن کر۔
وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾	اور یہ سب حاضر ہوں گے اس کے سامنے قیامت کے دن اکیلے۔
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾	یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور کرتے رہے نیک اعمال 53* عنقریب پیدا کردیگا انکے لئے رحمٰن محبت ۔

53* یعنی آج مکے کی گلیوں میں وہ ذلیل و رسوا کیے جا رہے ہیں، مگر یہ حالت دیرپا نہیں ہے۔ قریب ہے وہ وقت جبکہ اپنے اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کی وجہ سے وہ محبوبِ خلائق ہو کر رہیں گے۔ دل ان کے طرف راغب ہوں گے۔ دنیا ان کے آگے پلکیں بچھائے گی ۔ فسق و فجور، رعونت اور کبر، جھوٹ اور ریاکاری کے بل پر جو سیادت و قیادت چلتی ہو وہ گردنوں کو چاہے جھکالے، دلوں کو مسخر نہیں کر سکتی۔ اس کے برعکس جو لوگ صداقت، دیانت، اخلاص اور حسن اخلاق کے ساتھ راہِ راست کی طرف دعوت دیں، ان سے اوّل اوّل چاہے دنیا کتنی ہی اُپر ائے، آخر کار وہ دلوں کو موہ لیتے ہیں اور بد دیانت لوگوں کا جھوٹ زیادہ دیر تک ان کا راستہ روکے نہیں رہ سکتا۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾	در حقیقت ہمنے آسان کردیا یہ تیری زبان میں تاکہ تو خوشخبری پہنچا دے اس سے متقیوں کو اور ڈر سنائے اس سے انلوگوں کو جو جھگڑالو ہیں۔
وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ	اور کتنی ہی ہلاک کر دیں ہمنے انسے پہلے امتیں۔ کیا پاتا ہے تو انمیں سے کسی ایک کو یا

لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾	سنتا ہے انکی بھنک ۔